(۳۱)

ٹھوکر سے بچنے کے لئے ایک لطیف نکتہ

(فرمودہ ۲۰۔ دسمبر ۱۹۲۹ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

انسان کا دل جس سے مراد میری اس کی قوتِ متفکرہ ہے اور جس سے مراد میری وہ باریک تعلق روح کا ہے جو انسانی دل سے روحانی طور پر ثابت ہے۔ چونکہ زبان کے محاورہ میں اسے دل کہا جاتا ہے اس لئے ہم زبان کے محاورہ کے لحاظ سے اسی طرح کلام کرنے پر مجبور ہیں خواہ یہ سائنس کے انکشاف کے خلاف ہی ہو۔ زبان کے محاورات یا اصطلاحات کا تبدیل کرنا آسان نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایسا کرنے سے بسا اوقات انسان کے خیالات متفرق ومتشتت ہو جاتے ہیں۔ لوگ ایک خاص لفظ کو ایک خاص مفہوم میں سننے کے عادی ہوتے ہیں اور جب اس کے خلاف بیان کیا جائے تو انہیں دھوکا لگ جاتا ہے۔ پس میں اس بحث میں پڑنے کے بغیر کہ قوتِ متفکّرہ کا تعلق دل سے ہے یا دماغ سے محاورہ زبان کے مطابق چونکہ انسانی فکر کے لئے دل کا لفظ ہی بولا جاتا ہے اس لئے میں بھی یہی لفظ استعمال کروں گا۔ تو انسانی دل یعنی جسم کا وہ حصہ جو مختلف قسم کے امور کے متعلق غور کرتا ہے یا نیکی اور بدی میں شناخت کرتا ہے، اچھے بُرے اثرات قبول کرتا ہے یا وہ حصہ جس کے ساتھ اس کی روح کا تعلق ہے اور جس کے ذریعہ وہ اپنے منشاء کو پورا کرایا کرتی ہے اس کے متعلق عام طور پر لوگوں میں یہ احساس پایا جاتا ہے کہ وہ ایک ہی قسم کی خاصیت رکھنے والی چیز ہے۔ مثلاً جیسے کونین کا لفظ بولنے سے یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ وہ ایک مفرد چیز ہے۔ اسی طرح جب دل یا دماغ کا لفظ بولا جاتا ہے تو اسے بھی عام طور پر لوگ ایک مفرد چیز خیال کر لیتے ہیں اور

اسی کے مطابق اس کے متعلق اپنے ذہن میں اچھے یا بُرے اندازے کر لیتے ہیں۔ جس طرح کھیتیوں میں سے کسی کھیتی کے بیج کا نام لیتے ہی ایک زمیندار یا باغبان کے دل میں اس کے متعلق تمام باتیں پھر جاتی ہیں اور وہ فوراً سمجھ لیتا ہے کہ یہ بیج فلاں موسم میں بویا جاتا ہے' اس طرح اس کی غور پرداخت کی جاتی ہے' فلاں موقع پر پانی دیا جاتا ہے۔ ہم جس وقت گیہوں یا خربوزہ کا نام لیتے ہیں تو ایک زمیندار کے ذہن میں فوراً اس کی مختلف حالتیں پھر جاتی ہیں۔ اسی طرح دل کا لفظ سن کر اس کی مختلف کیفیتیں لوگ ذہن میں لے آتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ دل پر فلاں بات کا اثر ہوتا ہے یا دل کے لئے فلاں بات اچھی یا فلاں بات بُری ہے۔ حالانکہ دل کی مثال بیج کی نہیں بلکہ زمین کی ہے اور بیج کا تعلق زمین سے نہیں ہوتا بلکہ موسم سے ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی زمین میں ایک بیج خواہ کسی وقت اور کسی موسم میں بو دیا جائے وہ اُگ آئے گا۔ زمین میں بیج وہی اُگتا ہے جو خاص موسم میں جو اس بیج کے لئے مخصوص ہے بویا جائے۔ زمین سے اس کا تعلق نہیں ہوتا۔ ہاں میدانی یا پہاڑی زمین میں یہ فرق ہوتا ہے کہ میدان میں جو فصلیں سردیوں میں ہوتی ہیں۔ پہاڑی علاقہ میں عام طور پر گرمیوں میں ہوتی ہیں کیونکہ وہاں گرمیوں میں وہی کیفیت ہوتی ہے جو میدان میں سردیوں میں ہوتی ہے اور سردیوں میں چونکہ وہاں برف پڑتی ہے اس لئے کوئی فصل نہیں ہوتی۔ تو سوائے اس کے زمینوں میں اور کوئی ایسا فرق نہیں ہوتا جس کی بناء پر یہ کہا جا سکے کہ فلاں علاقہ یا فلاں گاؤں میں ہر قسم کے بیج بھادوں یا چیت میں ہی اُگ آتے ہیں کیونکہ ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ موسم ہیں۔ کوئی کسی موسم میں اُگتا ہے اور کوئی کسی میں۔ اور ہر ایک کے لئے مخصوص طریقے استعمال کئے جاتے ہیں خاص خاص موقع پر پانی دیا جاتا ہے خاص قسم کا مَیلا ان میں ڈالا جاتا ہے' کسی میں انسانی نجاست ڈالنا مفید ہوتی ہے' کسی میں جانوروں کا گوبر' پھر کسی میں پتیوں وغیرہ کو جلا کر ان کی راکھ اور کسی میں ہڈیوں کا چُورہ ڈالا جاتا ہے اور زمین کے اچھے یا بُرے ہونے کا سوال اس سے بالکل علیحدہ ہے۔ کہ مختلف بیج کن حالتوں میں بوئے جاتے ہیں۔ یہی حال دل کا ہے دل کی مثال بیج کی نہیں بلکہ زمین کی ہے اور اس بات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بہت سے لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے ہٹ کر غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ[1] میں گر جاتے ہیں ان کے قلوب بعض دفعہ ایسی باتوں سے متاثر ہو جاتے ہیں جن سے دوسرا ہرگز نہ ہوسکتا اسی لئے قرآن شریف

میں صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی دعا مانگنے کے لئے کہا گیا۔ حالانکہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ بابرکات موجود تھی اور آپ سے بڑھ کر کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر قرآن نے یہ کیوں نہ کہا کہ صراطِ محمدؐ کی دعا مانگو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے رنگ میں ایک علیحدہ خاصیت رکھتا ہے اور اس کی طبیعت کا ایک خاص میلان ہوتا ہے مگر محمدیت جامع ہے تمام کمالات کی اور جب تک جامعیت حاصل نہ ہو محمدیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ فرمایا صراطِ محمد ﷺ نہ فرمایا۔

حالانکہ محمدیت میں بھی سب چھوٹے بڑے درجے موجود ہیں۔ شہداء ہیں، صلحاء ہیں، صدیق ہیں اور انبیاء ہیں۔ پھر انبیاء میں سے بھی بعض کو بعض پر فضیلت ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ اگر یہ تفریق انبیاء میں نہ ہوتی تو اس قدر انبیاء کی ضرورت بھی نہ ہوتی کیونکہ خدا تعالیٰ دنیا میں دو چیزیں ایک سی پیدا نہیں کیا کرتا ہر چیز کی پیدائش ایک ہی ہوتی ہے اور گو جنس میں فرق نہ ہو لیکن افراد میں ضرور فرق ہوگا اگر بعض جگہ ظاہری شکل میں نہیں تو ان میں باطنی فرق ضرور ہوگا غرضیکہ دنیا میں کوئی دو چیزیں ایسی نہیں جن میں ظاہراً اور باطناً کوئی فرق نہ ہو۔ اگر پھلوں کا رنگ ملتا ہے تو خواص میں فرق ہوگا اگر خواص ملتے ہوں تو مزے میں فرق ہوگا اور اگر مزا ایک سا ہو تو تأثیر یکساں نہیں ہوگی۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کسی بات کو دُہرایا نہیں کرتا جب کوئی چیز پیدا کرتا ہے نئی پیدا کرتا ہے۔ اس کی ذات اس سے بالا ہے کہ اسی چیز کو پھر لائے اس لئے اللہ تعالیٰ نے کبھی کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جو پہلے سے ہُو بہو مطابق ہو۔ نادان لوگ تمثیل کا لفظ پڑھ کر کہہ دیتے ہیں اس میں فلاں بات ویسی نہیں۔ مثلاً قرآن کریم نے رسول کریم ﷺ کے متعلق فرمایا کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا [۲] تو اعتراض کر دیا یہ عصا کا سانپ کیوں نہیں بنا کر دکھاتا۔ حضرت مسیحؑ کی مماثلت کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مُردے زندہ کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ اِس وقت اِس بحث کو جانے دو کہ اُن کا مُردے زندہ کرنا کن معنوں میں تھا اس سے قطع نظر کر کے بھی ضرور تھا کہ مشابہت کے باوجود اختلاف ہوتا۔ یہ کہنا کہ جو کچھ اُس نے کیا وہی یہ بھی کرے۔ خدا تعالیٰ کی قدرت اور اس کی صفات پر حملہ ہے اُس کی ذات سے ہر چیز مختلف آتی ہے۔ انبیاء، صلحاء، شہداء سب مختلف درجے رکھتے ہیں۔ غرض کوئی دو انسان ایسے نہیں مل سکتے جو ہر رنگ میں ایک سے ہوں۔ ضرور ہے کہ ان میں فرق ہو کیونکہ انسان مختلف قسم کے ہوتے ہیں اور ان کے میلاناتِ طبع

ایک دوسرے سے بالکل جُدا گانہ ہوتے ہیں۔کوئی کسی سے ملتا ہے اور کوئی کسی سے لیکن جیسے آم یا گیہوں میں اختلاف ہونے کے باوجود ان میں بعض باتیں مشترک بھی ہوتی ہیں جیسے کہ خاص موسم میں بوئے جاتے ہیں' خاص قسم کا کھاد ڈالا جاتا ہے اور خاص وقت پر پانی دیا جاتا ہے گویا باوجود اختلاف کے بعض باتوں میں اشتراک بھی نظر آتا ہے یہی حال انسانوں کا ہوتا ہے مگر باوجود اس کے میلان کا اختلاف موجود ہے۔ ہر ایک کا رنگ جُدا اور طبیعت علیحدہ ہے اور یہ ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ اگر ایک ہی رنگ ہوتا تو دنیا ہدایت سے محروم رہ جاتی۔کیونکہ کسی انسان میں محمدی میلان ہے کسی میں موسوی اور کسی میں عیسوی' کسی میں ابراہیمی۔اسی لئے جہاں میلان کا سوال تھا وہاں اللہ تعالیٰ نے صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ فرمایا اور جہاں اتباع کا سوال تھا وہاں یہ فرمایا اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ [3] یعنی تم اس کے نقشِ قدم پر چل کر جس سے تمہارا میلانِ طبع ملتا ہے محمدؐ کے ہم نقش ہو جاؤ۔جس طرح لوگ ایک اکسیر بناتے ہیں جس میں ہر قسم کی طبائع کو ملحوظ رکھ کر دوائیں ڈالی جاتی ہیں جو دموی' صفرائی' بلغمی ہر قسم کے مزاج والوں کو فائدہ دیتی ہے۔اسی طرح قرآن کریم کی سورۃ فاتحہ بھی ایک اکسیر ہے جس کے اندر سب مزاج والوں کے لئے فائدہ اُٹھانے کی تاثیر رکھی گئی ہے۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں یہ سکھایا گیا ہے کہ اے خدا! میرے میلان کے لحاظ سے جو قریب ترین رستہ ہے اسی پر مجھے لے چل اور پھر آگے جس جس سے میلان ملتا جائے اس کے رستے پر چلنے کی توفیق دے۔جس طرح مفرد سے مرکب اور مرکب در مرکب بنالئے جاتے ہیں یا جیسے پہلے ایک آدمی کا بدن ٹھنڈا ہوتا ہے اور وہ اسے گرم کرتا ہے تو پھر زیادہ گرم ہو جانے سے اسے دوبارہ ٹھنڈی ہوا کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔یا جیسے ایک شخص کو بلغم کا غلبہ ہوتا ہے اور پھر جب بلغم نکال دیا جائے تو کسی اور مرض کا غلبہ ہو جاتا ہے۔اسی طرح روحانی مزاجوں کا حال ہوتا ہے ایک شخص عیسوی مزاج رکھتا ہے اس کے لئے اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے معنے عیسوی رستہ ہوں گے لیکن جب اس پر چلتے چلتے اس کے اندر دوسری حالت پیدا ہو جائے گی تو پھر اس کے معنے اس کے لئے موسوی رستہ ہو جائیں گے پھر اسی طرح حضرت نوحؑ' حضرت ابراہیمؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رستہ کے ہو جائیں گے۔اسی وجہ سے صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ رکھا گیا۔محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں لیا کیونکہ سب لوگ ابتدائی حالت میں اپنے اندر جامعیت نہیں رکھا کرتے۔ان کے خواص محدود ہوتے ہیں اس لئے

وہ جامع انسان کے تمام کمالات جذب نہیں کر سکتے اس لئے کسی خاص رنگ کی طرف اشارہ نہیں کیا بلکہ یہی فرمایا جس سے مشابہت ہو اسی رنگ کی پیروی کر لی جائے۔

تیسرا مطلب اس سے یہ ہے کہ دل کا لفظ بہت دھوکا دینے والا ہے اور یاد رکھنا چاہئے کہ دل زمین کا نام ہے بیج کا نہیں۔ بیج اس کے لئے مختلف ہوتے ہیں جو اپنے اپنے موسم میں ہی اس کے اندر نشوونما پا سکتے ہیں۔ انسانی قلوب کے موسم دنیوی موسموں کی طرح نہیں ہوتے جن کا اثر ایک وقت میں ہر جگہ ایک ہی قسم کا ہوتا ہے بلکہ ہر قلب کے لئے الگ موسم ہوتا ہے۔ ایک شخص کے دل پر جس وقت بھادوں والی کیفیت طاری ہوتی ہے اُسی وقت دوسرے کے دل پر ساون یا چیت کی کیفیت ہوتی ہے چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ دنیا میں کوئی شخص جس وقت ہنس رہا ہوتا ہے دوسرا رو رہا ہوتا ہے۔

فرض کر لو دل کے اس موسم کا نام جس میں نیک بات کا اثر اس پر ہوتا ہے ساون رکھ لیا جائے تو یہ کیفیت جس انسان کے قلب کی ہوگی اس پر تو ایک نیک بات فوراً اثر کر جائے گی۔ لیکن ایک دوسرا شخص جو بظاہر نیکی میں پہلے شخص سے بڑھا ہوا ہو لیکن اس کی قلبی کیفیت ساون کی نہیں بلکہ بھادوں کی ہو وہ اس بات کو سن کر کوئی اثر قبول نہیں کرے گا کیونکہ ساون میں بھادوں کی کھیتی نہیں اُگ سکتی۔ تو دل بہت بڑی تنویع رکھتا ہے اور مختلف حالتوں میں اس پر مختلف اثرات ہوتے ہیں۔ دل تو دل مادیات میں بھی اثر قبول کرنے کا مادہ ہوتا ہے۔ ایک موقع پر ایک انگریزی فوج ایک پُل پر سے گذر رہی تھی فوج کے آگے آگے باجہ بجتا جاتا تھا اور جوش انگیز گیت گائے جاتے تھے تا سپاہیوں میں جوش پیدا ہو اُس وقت پُل یک لخت گر گیا اور بہت سے آدمی دریا میں گر کر ہلاک ہو گئے۔ بعد میں تحقیقات سے معلوم ہوا کہ مادیات میں بھی خاص قسم کی حرکتیں ہوتی ہیں اور جس وقت باہر کی سُریں ان کی اندرونی حرکتوں سے مشابہ ہو جائیں تو ان میں ایک سرور کی حالت پیدا ہو جاتی ہے اور اسی سرور کی وجہ سے ہی حرکت میں آ کر وہ پُل گر گیا۔ ایسی کیفیات جانوروں میں بھی پائی جاتی ہیں اور مادے میں بھی۔ گو مادہ کی ایسی باریک ہوتی ہیں کہ ان کا سمجھنا آسان نہیں ہوتا اور جانوروں کی نسبتاً آسانی سے سمجھی جاسکتی ہیں۔ سانپ بین پر ناچنے لگ جاتا ہے لیکن اس کیلئے بھی خاص سُریں ہوتی ہیں جنہیں سپیرے ہی جانتے ہیں۔ نیز وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ فلاں قسم کا سانپ کونسی سُر پر ناچتا ہے۔ کوئی دوسرا اگر بین بجائے تو اس کا سانپ پر کوئی اثر

نہیں ہوگا۔ تو قلب کی جو کیفیت ہو جب اس کے مشابہ چیز اس کے سامنے آئے وہ اسے فوراً قبول کر لیتا ہے۔ اس ایک نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بہت سے نیک لوگ بھی نیکی سے محروم رہ جاتے ہیں اور بڑے بڑے مضبوط ایمان والے بھی چھوٹی سی بات سے ابتلاء میں پڑ جاتے ہیں کیونکہ وہ اس بات کو مدنظر نہیں رکھتے کہ قلب کی کونسی کیفیتیں کونسے گناہوں میں انسان کو مبتلاء کر دیتی ہیں۔ اگر وہ زمیندار کے بیج کا مطالعہ کرنے کی طرح دل کا مطالعہ کرتے اور یہ دیکھتے کہ زمیندار اُس وقت بیج ڈالتا ہے جب وہ سمجھتا ہے کہ یہ اُگ آئے گا۔ اسی طرح قلب کی کیفیات ہوتی ہیں اور اس پر بھی خاص وقت میں خاص بات کا اثر فوراً ہو جاتا ہے تو بہت فائدہ اُٹھا سکتے۔ طبائع کا میلان نیکی اور بدی پر بہت اثر رکھتا ہے۔ ایک وقت انسان پر ایک بڑی سے بڑی بات کا اثر نہیں ہوتا لیکن دوسرے وقت ایک ادنیٰ سی بات سے متأثر ہو جاتا ہے کیونکہ اُس وقت اس کے قلب کی ایسی کیفیت ہوتی ہے کہ جس میں وہ خاص بیج پڑنا مفید ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اچھا لیکچرار اپنی تائید میں مختلف دلائل دیا کرتا ہے صرف وہی پیش نہیں کرتا جو اُس کے نزدیک سب سے زیادہ مضبوط ہو کیونکہ ہر انسان پر ایک ہی دلیل اثر نہیں کرتی بلکہ مختلف لوگوں کے لئے مختلف دلائل اثر رکھتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي[۴] والی آیت کو وفاتِ مسیح کی سب سے مضبوط دلیل قرار دیتے تھے اور اس کو اصل اور باقی کو اس کے تابع قرار دیتے تھے لیکن بیسیوں لوگ ایسے ہیں جن پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لیکن اگر ان کے سامنے یہ بات پیش کی جائے کہ کیا یہ شرم کی بات نہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ تو زمین میں مدفون ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر ہوں تو وہ فوراً متأثر ہو جائیں گے۔ ان پر اُس وقت جذباتی رنگ ہوتا ہے اور محبتِ رسول کا جذبہ غالب آیا ہوا ہوتا ہے اس لئے اُس وقت وہ بیج کا کام دے جاتا ہے۔ لیکن اگر یہی دلیل ایک دوسرے آدمی کے سامنے پیش کی جائے جس کے قلب کی وہ حالت نہ ہو تو وہ فوراً کہہ دے گا میں سمجھ گیا آپ میرے جذبات کو بھڑکا کر دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ لیکن اس کے سامنے جب فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي والی دلیل پیش کی جائے تو فوراً اُس کی آنکھیں نیچی ہو جائیں گی۔ اس لئے اچھا خطیب وہی ہے جو ایک ہی دلیل پیش نہیں کرتا کیونکہ ضروری نہیں کہ تمام سامعین کی قلبی کیفیات اسے قبول کرنے کیلئے تیار ہوں۔ مختلف لوگوں کیلئے مختلف دلائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ پلاؤ ایک اچھی غذا ہے لیکن کئی لوگ اس کے کھانے سے بیمار ہو جاتے ہیں۔ خود مجھے چاول کھانے سے بخار

ہو جاتا ہے۔ دعوت کے موقع پر مجھے بہت مشکل پیش آتی ہے۔ اگر کوئی چیز نہ کھاؤ تو میزبان خیال کرتا ہے کہ شاید میرے کھانے میں کوئی نقص ہے اور وہ خواہ نخواہ دُکھ اور قلبی اذیت محسوس کرتا ہے۔ اس کے احساسات کا لحاظ رکھتے ہوئے چاول کھانے ہی پڑتے ہیں لیکن اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ اگر دو دعوتیں اکٹھی ہو جائیں تو ضرور اور اگر ایک ہو تو عام طور پر مجھے بخار ہو جاتا ہے۔ تو میں عام طور پر چاول نہیں کھا سکتا۔ اگرچہ کبھی کھا بھی لیتا ہوں لیکن وہ حالت خاص ہوتی ہے جب انسان سمجھتا ہے کہ اگر یہ چیز کھالی تو ہضم ہو جائے گی۔ اسی طرح اچھی دلیل کے یہ معنے نہیں کہ ہر وقت وہی ایک دلیل سب کی سمجھ میں آ جائے۔ میں نے خاص طور پر اس کا مطالعہ کیا ہے۔ بعض لوگ ایک وقت ایک دلیل سے متأثر ہوتے ہیں دوسرے وقت دوسری اور تیسرے وقت تیسری سے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف اوقات میں مختلف حالتیں انسان کی ہوتی ہیں۔ میں نے اس کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ بعض اوقات ایک مخلص آدمی یہ خیال کرتا ہے کہ جس بات نے مجھ پر اثر کیا ہے ضروری ہے کہ دوسرے پر بھی اثر کرے لیکن وہ نہیں کرتی کیونکہ اُس پر اثر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کی قلبی کیفیت اُس سے مشابہ تھی۔ اسی طرح نیکیوں کا حال ہے ایک شخص محض چندہ دینے کی وجہ سے دوسرے کی نیکی کا قائل ہوتا ہے لیکن وہ جب دوسرے سے اس کا ذکر کرتا ہے تو وہ کہہ دیتا ہے چھوڑو جی چندہ کا کیا ہے نماز تو وہ پڑھتا نہیں۔ لیکن ایک دوسرے شخص کے سامنے اگر کہو کہ فلاں آدمی نمازیں بہت پڑھتا ہے تو وہ فوراً کہہ دے گا کہ نماز پڑھنے کا کیا ہے جب چندہ نہیں دیتا تو اسے کس طرح مخلص کہا جا سکتا ہے غرضیکہ کوئی چندہ کی خوبی سے متأثر ہوتا ہے اور کوئی نماز سے۔ مختصر یہ کہ انسانی میلان مختلف اوقات میں مختلف ہوتے ہیں اور اسی لئے ایک وقت کوئی بات ان پر اثر کرتی ہے اور دوسرے وقت کوئی اور۔ یہی وجہ ہے کہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ فرمایا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رستہ نہیں کہا اور اسی طرح غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فرمایا کسی اشدّ ترین دشمن کا نام نہیں۔ حالانکہ آسانی سے شیطان کا نام لیا جا سکتا تھا مگر نہیں۔ انسان دراصل شیطان کی بھی اتباع نہیں کرتا بلکہ اپنے میلان کی پیروی کرتا ہے۔ اسی وجہ سے نیکی میں بڑھنے کیلئے صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اور بُرائیوں سے بچنے کے لئے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فرمایا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ یاالٰہی! جس نیکی سے میرے قلب میں میلان ہو اُس کی توفیق دے اور جس مغضوبیت سے میرے اندر مشابہت ہو اُس سے

مجھے محفوظ رکھیو۔

دیکھو قرآن شریف نے کیا ہی لطیف اور جامع رنگ اختیار کیا ہے۔ جہاں تو میلان کا سوال نہیں وہاں کہا قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ لیکن جہاں میلان کا تعلق تھا وہاں صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے جامع الفاظ رکھ دیئے ہیں کیونکہ انسان کا میلان اس کی اپنی مرضی سے نہیں ہوتا لیکن عمل اپنی مرضی سے ہوسکتا ہے۔ چونکہ میلان اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اس لئے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی استعانت کی اشد ضرورت ہے لیکن عمل میں بہت سا دخل انسان کی اپنی مرضی کا ہوتا ہے اسی لئے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ انسان کے دل میں جو بُرا خیال پیدا ہو اور وہ اس پر عمل نہ کرے تو یہ نیکی ہو جاتی ہے[۵] چونکہ دل کے خیال پر انسان کا دخل نہیں اس لئے اس پر گرفت بھی نہیں جب تک انسان اسے عملی جامہ نہ پہنائے۔ انسان عمل کرسکتا ہے، نماز پڑھ سکتا ہے، روزے رکھ سکتا ہے، حج کرسکتا ہے، زکوٰۃ دے سکتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس کے اندر چاروں کے لئے بشاشت بھی پیدا ہو ممکن ہے وہ کرے تو چاروں ہی لیکن بشاشت صرف ایک ہی سے پیدا ہو کیونکہ وہ اپنے آپ کو عمل کے لئے مجبور کرسکتا ہے بشاشت کے لئے نہیں اس میں اُدھر ہی چلے گا جدھر میلان ہوگا۔ اس لئے جہاں میلان کا سوال تھا وہاں قرآن کریم نے جمع کا صیغہ رکھا ہے لیکن جہاں عمل کا تھا وہاں واحد کا۔ یہ ایک نہایت ہی لطیف مضمون ہے۔ خطبہ کی طاقت نہیں کہ اس کی تفصیلات کا متحمل ہوسکے۔ اس کے لئے ایک مستقل لیکچر کی ضرورت ہے۔ لیکن جو کچھ مختصراً بیان ہوا ہے اس میں کم از کم ہر ایک کے لئے اتنا مسالہ ضرور موجود ہے کہ وہ ہدایت پاسکے اگرچہ اِس کی جُزئیات کو نہ سمجھ سکے۔ سورۃ فاتحہ میں خدا تعالیٰ نے یہ ایک ایسا نکتہ رکھا ہے کہ اسے سمجھ کر انسان بہت سی ٹھوکروں سے بچ سکتا ہے۔ بیسیوں بدظنیاں انسان صرف اس لئے کرلیتا ہے کہ جس وقت کوئی بات اس کے سامنے بیان کی جائے اُس وقت اس کی قلبی کیفیت اس کے قبول کرنے کے لئے تیار ہوتی ہے۔ ایک شخص سے اسے عداوت ہوتی ہے اس کے متعلق اگر کوئی اُسے بُری بات کہے تو وہ فوراً اُسے مان لیتا ہے لیکن اگر اس کے دوست کے متعلق وہی بات بیان کی جائے تو فوراً کہہ دیتا ہے لوگ جھوٹ بولا ہی کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر بیان کرنے والا اس کا دوست ہو تو کہتا ہے اسے کیا ضرورت تھی کہ جھوٹ بولتا لیکن اگر کوئی دوسرا ہو تو کہہ دیتا ہے اجی کیا اعتبار ہے لوگ یونہی باتیں اُڑا دیا کرتے ہیں۔ پھر بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہی

بات جو اگر براہِ راست کوئی آکر اس سے بیان کرتا تو وہ اسے ہرگز قبول نہ کرتا لیکن اگر راوی اس کے دوست سے بیان کرے اور دوست اس سے متأثر ہو کر اس سے بیان کرے تو اسے فوراً درست مان لیتا ہے۔ جس طرح لوہا آگ سے گرم ہوتا اور ہم لوہے سے گرم ہو جاتے ہیں اسی طرح بعض اوقات بالواسطہ بدظنی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر براہِ راست راوی اس کے پاس آتا تو یہ اُسے ٹھکرا دیتا لیکن چونکہ دوست کا میلان اس سے ملتا تھا اور راوی کا میلان اپنے دوست سے ملتا تھا اس لئے یہ بھی بالواسطہ بدظنی کا شکار ہو جاتا ہے۔ انسان کو یہ دیکھنا چاہئے کہ اگر یہی بات میرے متعلق یا میرے دوست کے متعلق ہوتی تو میں اس کے متعلق کیا خیال کرتا۔ اس پر وہ فوراً سمجھ جائے گا کہ یہ کیفیت اس کے اندر محض میلان کی وجہ سے پیدا ہوگئی ہے۔ اس وقت دل کی زمین مشابہ تھی۔ اس لئے یہ بدی دل کے اندر پیدا ہوگئی۔ یہی حال نیکی کا ہے جہاد کے وقت بعض لوگ مصلّٰی پر بیٹھے رہتے ہیں کیونکہ ان کا میلان اس طرف ہوتا ہے حالانکہ اس وقت افضل عبادت جہاد ہی ہے۔ ایک موقعِ جہاد پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا آج روزہ داروں سے بے روزہ بڑھ گئے[6] اس کی وجہ یہی تھی کہ روزہ رکھنے والوں نے اپنے میلان کی وجہ سے روزہ رکھنے کو ہی افضل سمجھا جس سے ان کی طاقتوں میں کمی آگئی لیکن روزہ نہ رکھنے والے تازہ دم ہونے کی وجہ سے ان سے زیادہ شجاعت سے جنگ کر سکے۔ تو نیکی بدی اس معاملہ میں دونوں یکساں ہیں۔ انسان کو یہ دیکھنا چاہئے کہ میرا میلان قرآن کے مطابق ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ اس کی نیکی نیکی نہیں اور جسے وہ بدی سمجھتا ہے وہ بدی نہیں۔ اصل گُر قرآن کریم نے یہی اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں بتایا ہے اور اسی پر ہر میلان پرکھا جا سکتا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں باریک در باریک راہوں سے آنے والی ٹھوکروں سے محفوظ رکھے۔ اور ایسی باتوں سے بچائے جو بسا اوقات ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ لیکن ٹھوکر کا موجب ہو جاتی ہیں۔ آمین

(الفضل ۳۔ جنوری ۱۹۳۰ء)

---

1. الفاتحۃ: ۷
2. المزمّل: ۱۶
3. ال عمران: ۳۲
4. المائدۃ: ۱۱۸
5. بخاری کتاب الرقاق باب من ھم بحسنۃ او بسیّئۃ
6. بخاری کتاب الجھاد باب فضل الخدمۃ فی الغزو